اتحاد ملت کی ضرورت کیوں؟

جناب شکیل حسن شمسی صاحب ''راشٹریہ سہارا'' دہلی

بچپن سے جوانی تک میں نے لکھنؤ کی گلیوں کی خاک چھانی۔ یہ ایک ایسا شہر ہے، جس کی ثقافت، نفاست، شرافت، نزاکت اور زبان کی لطافت ساری دنیا میں مشہور ہے۔ یہاں کا شیعہ۔سنی فساد اور ہندو۔مسلم اتحاد بھی بہت مشہور ہے۔ تقریباً ۳۰ برس قبل میرے عزیز پاکستان سے لکھنؤ آئے تو ایک ریسٹورنٹ میں ہم اپنے یونیورسٹی کے دوستوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ دلچسپ باتیں ہو رہی تھیں۔ لکھنؤ کی مقامی سیاست پر بھی بات ہو رہی تھی۔ جب محفل برخاست ہوگئی تو میرے پاکستانی عزیز نے کہا ایک بات پوچھوں کیا، یہاں کے مسلمان ہندوؤں جیسے نام رکھنے لگے ہیں؟ میں نے حیرت سے کہا کہ کیوں؟ میرے عزیز نے کہا کہ تم لوگ جس لڑکے سے بات کر رہے تھے وہ باتیں تو بالکل مسلمانوں جیسی کر رہا تھا، لیکن نام تم لوگ بار بار اجئے اجئے لے رہے تھے۔ میں ان کی پریشانی سمجھ گیا، میں نے کہا ارے بھائی وہ میرا دوست ہندو ہی ہے اور وہ گڑھوال کا رہنے والا ہے، لیکن پرانے لکھنؤ میں رہنے کی وجہ سے اس کی بات چیت، رہن سہن اور انداز گفتگو ایسا ہو گیا ہے کہ پہچاننا مشکل ہے۔ کئی بار شیعہ۔سنی فساد کے دوران اس کی جان کے لالے پڑ گئے، کیونکہ بلوائی اس کو بھی مسلمان سمجھ رہے تھے لیکن جب یہ راز کھلا کہ وہ مسلمان نہیں ہے تو اس کی جان بچی۔ اس پر میرے پاکستانی عزیز نے کہا کہ جب یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ کون ہندو ہے اور کون مسلمان، تو پھر یہاں کے لوگ یہ کیسے سمجھ جاتے ہیں کہ کون شیعہ ہے اور کون سنی؟ اس پر میں نے کہا کہ لکھنؤ ایک ایسا بدنصیب شہر ہے، جہاں شیعہ اور سنی محلے بٹے ہوئے ہیں۔ شیعہ محلوں سے جو چوڑا ہو کر گذرے وہ شیعہ، جو سنی محلوں سے بے خوف گذرے وہ سنی، یہی چہروں کا خوف پہچان ہے۔ محرم میں کالی شرٹ پہن کر پاٹا نالہ، بلوچ پورہ اور پل غلام حسین سے گذرنا دشوار ہے تو لال پیلے کپڑے پہن کر کشمیری محلہ، رستم نگر اور مفتی گنج سے گذرنا دشوار ہے۔ لکھنؤ میں شیعہ۔سنی ایک دوسرے کو شیعہ سنی بھی نہیں کہتے تھے، بلکہ کھٹل مچھر کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ نام کس نے رکھا اور کیوں پڑا، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ کوئی فرقہ اپنے آپ کو اس نام سے مخاطب کئے جانے پر ناراض بھی نہیں ہوتا تھا۔ خیر برسوں بعد جب میں ۲۰۰۳ء میں پھر پاکستان گیا تو اپنے اسی عزیز کے ساتھ کراچی میں گھوم رہا تھا، اس نے بڑے فخر سے کہا کہ ہمارے یہاں لکھنؤ کی طرح شیعہ۔سنی والے محلے نہیں، یہاں سب مسلمان رہتے ہیں۔ ابھی ہم کچھ ہی دور آگے چلے تھے کہ اس علاقہ کی ثقافت کچھ الگ سی نظر آنے لگی۔ لمبے چوڑے اور اونچے قد کے نوجوان دکھائی دینے لگے، زبان اور لباس میں بھی کافی فرق لگا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون سا علاقہ ہے، تو میرے عزیز نے کہا کہ یہ سہراب کوٹ کا علاقہ ہے، جہاں پٹھان آباد ہیں۔ میرے عزیز نے کہا کہ یہ بہت خطرناک علاقہ ہے، ذرا سی دیر میں یہاں بم پھٹنے لگتے ہیں۔ یہ سڑک مہاجروں اور پٹھانوں کے درمیان لڑائیوں کا مرکز رہی ہے۔ میں نے کہا کوئی فرق نہیں پڑتا، یہاں تعصب شیعہ۔سنی کی شکل میں نہ سہی تو مہاجروں اور پٹھانوں کے درمیان موجود ہے، پھر میں ہر سال پاکستان جانے لگا اور ہر سال وہاں کا ماحول بدلتے ہوئے دیکھا، اب تو وہاں بھی شیعوں اور سنیوں کی

بستیاں اور کالونیاں الگ الگ بس رہی ہیں۔ اتنا ہی نہیں دیوبندی اور حنفی حضرات بھی ایک دوسرے سے دور رہنے کو ہی ترجیح دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سارے پاکستان کے لوگ پٹھانوں سے دور رہنا چاہتے ہیں، کیونکہ ان کو یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ شاید ان میں سے کوئی تحریک طالبان پاکستان کا ممبر نہ ہو۔ اس سال میں پاکستان نہیں گیا، لیکن سنا ہے کہ وہاں شیعوں، حنفیوں اور وہابیوں کو ٹارگٹ کلنگ کے ذریعہ مارا جارہا ہے، تاکہ شہر میں کوئی بڑا فساد ہو سکے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کے حالات بہت بہتر ہیں، لیکن ایسا نہیں کہ یہاں کے حالات کو خراب کرنے کی کوشش نہیں ہو رہی ہے۔ لکھنؤ کا ایک فسادی گروہ لگاتار کسی نہ کسی بات پر شیعہ۔سنی مسئلہ کو ہوا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ کچھ چھوٹے چھوٹے اخبار بھی کسی خاص گروہ کے اشارے پر شیعہ اور سنیوں کے درمیان کڑواہٹیں بڑھانے کا کام کر رہے ہیں۔

دوسری جانب یو۔پی۔ کے مشہور شہر رام پور کے ایک قصبہ میں مسلمانوں کے دو مسالک کے درمیان چل رہی کشیدگی کو کچھ لوگوں نے اس قدر ہوا دی کہ وہاں فساد کی نوبت آ گئی اور مقامی انتظامیہ کو اس میں مداخلت پر مجبور ہونا پڑا۔ وہاں نماز کی امامت کو لے کر حنفی اور دیوبندی مسالک کے لوگ ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔ میں اس واقعہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ کون حق پر ہے اور کون زیادتی کر رہا ہے، اس پر بھی بات نہیں کرنا چاہتا، کیوں کہ اس سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، بلکہ بگڑ جائے گا۔ مجھے تو ارباب کرم کی توجہ اس طرف مبذول کروانا ہے کہ ایسے دور میں جب کہ ہر طرف سے اسلام کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں، اسلام کو بدنام کرنے کی بھرپور مہم چل رہی ہے، دہشت گردی کی آڑ میں مسلمانوں کو ہی قتل کیا جارہا ہے، مسلمانوں کے سر ہی دہشت گردی کا ٹھیکرا پھوڑا جارہا ہے اور بے گناہ مسلمانوں کو ہی جیلوں میں ٹھونسا جارہا ہے۔ ایسے ماحول میں کون حساس مسلمان ایسا ہوگا، جو مسلک یا گروہ کی بات کرے گا؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس وقت مسلک کی بات کرنے والے لوگ جانے انجانے میں ان طاقتوں کی مدد کر رہے ہیں، جو اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہیں۔

سوات کے لوگوں پر مسلک پرستی کا بھوت آج سے نہیں کافی عرصہ سے سوار ہے اور اس کے ختم ہونے کے آثار بھی نظر نہیں آتے، کیوں کہ مسلمانوں کے کسی گروہ کی جانب سے کوئی سنجیدہ کوشش اس قضیہ کو ختم کرنے کے لئے نہیں کی جارہی ہے۔ شاید ہماری سماجی اور مذہبی تنظیمیں اس انتظار میں ہیں کہ وہاں کوئی بڑا فساد ہو جائے تو مداخلت کریں۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ قضیہ بالکل مقامی نوعیت کا ہے، اس لئے اس کو وہیں تک محدود رکھا جانا چاہئے، لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ آج جو معاملہ مقامی لگ رہا ہے، کل وہ ایک بڑی آگ کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے، کیونکہ اسلام دشمن طاقتیں کوئی بھی ایسا موقع اپنے ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتیں، جس سے کہ مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کیا جا سکے، اس لئے ہم سب کی کوشش یہی ہونا چاہئے کہ فتنوں کا سدباب کرنے کے لئے متحد ہو کر نکل پڑیں۔ ویسے کافی لوگ ایسے ہیں، جو مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق بڑھانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ میرے ایک دوست جناب سراج مہدی بھی ان ہی مسلمانوں میں سے ایک ہیں، جو اتحاد ملت کے لئے مسلسل کوشاں ہیں۔ میں نے ان کے ذریعہ منعقد کئے جانے والے دو جلسوں میں شرکت کی اور ان دونوں جلسوں میں شریک ہونے والوں کو بہت مخلص پایا ہے۔ اسی کنونشن کی وجہ سے ایک زبردست تبدیلی یہ آئی کہ وہ علمائے فرنگی محل اور علمائے خاندان اجتہاد جو حالات کی ستم ظریفی کے سبب ایک دوسرے سے دور ہو گئے تھے، وہ ایک ہی اسٹیج پر نظر آئے۔ شاید کچھ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ لکھنؤ کے یہی دو گھرانے صدیوں تک لکھنؤ میں شیعہ۔سنی اتحاد کی مشعل جلائے رہے اور دونوں کے درمیان گہرے علمی روابط رہے۔ اتحاد ملت کنونشن میں صرف شیعہ۔سنی فرقوں کے لوگ ہی شامل نہیں ہوئے، بلکہ سلفی، حنفی خانقاہی حضرات کی شمولیت نے بھی یہ ثابت کیا کہ مسلمان ایک دوسرے کے

قریب آنے کو بے قرار ہیں۔

گذشتہ ماہ بھوپال میں منعقد ہونے والی اتحاد ملت کانفرنس کے دوران سب سے اہم چیز یہ دیکھنے میں آئی کہ علماء کی ایک بڑی تعداد نے اتحاد اسلامی کو فروغ دینے میں روزنامہ راشٹریہ سہارا کے گروپ ایڈیٹر جناب عزیز برنی کی کاوشوں کو اس قدر سراہا کہ تھوڑی دیر تو یہ لگنے لگا کہ جلسہ اتحاد ملت کانہ ہو کر برنی صاحب کو اعزاز دینے کے لئے منعقد کیا گیا ہے، شاید اس کی وجہ یہی تھی کہ روزنامہ راشٹریہ سہارا نے مسلمانوں کے مشترکہ مسائل کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا ہے کہ کسی کو کہیں کوئی چیز بھی اختلافی نظر نہیں آئی۔ اتحاد ملت کنونشن میں ویسے تو بہت سی اہم تجاویز آئیں، لیکن سب سے اہم تجویز یہ تھی کہ مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے دینے کا سلسلہ بند کریں۔

میں نے بھی کچھ تجاویز اس جلسے میں رکھی تھیں، جو جلسے نے اتفاق رائے سے پاس کی تھیں، اس میں ایک تجویز یہ تھی کہ جن مسلمانوں کو دہشت گردی کے الزام میں پکڑا جاتا ہے، ان کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے ایک قانونی سیل بنایا جانا چاہئے، جو جیلوں میں بند ان تمام لوگوں کے انٹرویو کرے، جن کو پولیس نے دہشت گردی کے الزام میں بند کیا ہے اور ان سے الزاموں کی حقیقت معلوم کی جائے اور اگر وہ بے گناہ ہیں تو ان کی پیروی کی جائے۔ میں نے کہا تھا کہ جس طرح مسلم پرسنل لاء بورڈ شریعت پر ہونے والے حملوں کا مقابلہ کررہا ہے، اسی طرح ایک لیگل سیل ایسا بنایا جانا چاہئے جو کرمنل لا کے غلط استعمال (Misuse) کا مقابلہ کرے اور پریشان کئے جارہے مسلمانوں کی قانونی مدد کرے۔ کولکاتہ کی جیل میں بند عبداللہ کی جو دل دہلا دینے والی داستان روزنامہ راشٹریہ سہارا کے ذریعہ قارئین تک پہنچی ہے، ویسی نہ جانے کتنی ہی کہانیاں ابھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے قید ہوں گی۔ کتنے تو ایسے ہوں گے، جن کو اپنی داستان بیان کرنے کے لئے قلم اور کاغذ بھی نہیں مل رہا ہوگا، اس لئے اتحاد ملت کے بینر تلے یا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرز پر کرمنل لا کے غلط استعمال کے خلاف ایک ادارہ بنا کر ہم مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کی مدد کرسکتے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) ۳۰؍جون ۲۰۱۰ء)

کیوں نہیں ہو رہے ہیں مسلکی فسادات؟

دنیا کے مختلف علاقوں میں آج مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی بھرپور کوششیں چل رہی ہیں۔ کہیں سلفی اور حنفی تنازع کو بھڑکانے کی کوشش ہو رہی ہے، کہیں بریلوی، دیوبندی کے قضیہ کو طول دینے کی کوشش ہو رہی ہے تو کہیں شیعہ وسنی اختلاف کو ہوا دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ عراق میں امام موسیٰ کاظمؑ کے روضہ سے واپس پلٹنے والے زائرین پر حملے کے پیچھے بھی یہی سازش کارفرما تھی کہ شیعہ اور سنی فرقے کے لوگوں کو آپس میں لڑوایا جاسکے، مگر سازشی ٹولہ کی ناپاک سازش اس وجہ سے ناکام ہوگئی کہ بم دھماکہ غلطی سے وہاں کردیا گیا، جہاں سنیوں نے شیعہ زائرین کے لئے سبیل کا اہتمام کیا تھا۔ اصل میں یہ سبیلیں اتحاد کی ایک علامت بن گئیں، بالکل اسی طرح جیسے کہ بغداد میں دریائے دجلہ کے دو کناروں کو جوڑنے کے لئے ایک وسیع وعریض پل بنا ہوا ہے۔ بغداد کے سنی اکثریتی علاقہ اعظمیہ سے شیعہ محلہ کاظمین کو یہی پل آپس میں جوڑتا ہے۔ عراق کے مختلف علاقوں سے شیعہ زائرین کے قافلے اسی پل سے ہو کر کاظمین پہنچتے ہیں۔ سینکڑوں سال سے یہاں کے مقامی سنیوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ کاظمین جانے والے شیعوں کے لئے کھانے پینے کی اشیا کی سبیلیں لگاتے ہیں اور ان کے آرام کا بندوبست کرتے ہیں۔ یہ اتحاد دشمن اسلام کو پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا، اسی لئے لگاتار کوششیں ہوتی رہتی ہیں کہ شیعہ اور سنی کے درمیان فساد کروایا جاسکے، تاکہ اس طرح کے روح پرور مناظر دیکھنے کو نصیب نہ ہوں۔ اس سے قبل ۲۰۰۵ء میں اسی پل پر اس وقت بھگدڑ مچ گئی تھی، جب کسی نے مجمع میں خودکش بمبار کے آجانے کی افواہ پھیلا دی تھی۔ اس واقعہ میں تقریباً ایک ہزار لوگ

مارے گئے تھے۔ مرنے والوں میں ۷۰ فیصد بچے اور عورتیں تھیں، لیکن اتنی بڑی تعداد میں ہلاکتوں کے باوجود نہ تو شیعوں نے سنیوں پر حملہ کیا نہ ہی سنی فرقہ کے لوگوں نے سبیلیں لگانے کی اپنی روایات توڑیں۔ قابل ذکر یہ بات ہے کہ ان سازشوں کو جنم دینے والے مغربی میڈیا نے ہمیشہ ہی عراق میں ہونے والے ایسے حملوں کو مسلکی تشدد (Sectarian Violence) کہا ہے۔ بی بی سی (BBC) ہو یا سی این این (CNN) انھوں نے کبھی بم دھماکے کو اسلام دشمنوں کے کرتوت نہیں کہا، بلکہ اس پر مسلک کا لیبل لگا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔

لیکن جب عراق میں سرگرم القاعدہ کے دہشت گردوں نے کسی سنی عالم دین یا سنی رہنما کو مارا تو انھوں نے اس کو Sectarian Violence نہیں کہا۔ پچھلے سال بغداد کی مسجد میں ایک معروف سنی عالم دین حارث العبیدی کو قتل کئے جانے کو مغربی میڈیا نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ مرحوم عبیدی کے قتل سے عراق میں مسلکی تناؤ پیدا ہونے کی امید نہیں تھی اور دوسری یہ کہ حارث العبیدی شیعوں، سنیوں اور کردوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی جس مہم میں لگے تھے ان کی شہادت سے اس تحریک کو نقصان پہنچا تھا۔ اسی طرح گذشتہ مہینے فلوجہ کے ایک سنی رہنما خوز یر حماد العیساوی کو ان کے پورے کنبے کے ساتھ گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اسی سال مارچ کے مہینے میں فلوجہ میں سابق وزیر اعظم ایاد علاوی کے ایک قریبی ساتھی غنیم رضی ان کے بھائی اور ۴/دیگر افراد کو دہشت پسندوں نے بموں سے اڑا دیا، مگر ان کی خبر کو مغربی میڈیا نے اہمیت کے قابل نہیں سمجھا، کیونکہ اس خبر سے مسلمانوں میں یہ پیغام جاتا کہ عراق میں خون کی ہولی کھیلنے والے لوگ نہ تو شیعہ ہیں نہ سنی، بلکہ صرف اور صرف قاتل ہیں۔ مغربی میڈیا کو صرف ان خبروں میں دلچسپی ہوتی ہے، جن سے شیعہ سنی یا سلفی اور حنفی اختلافات کو ہوا دی جا سکے۔

پاکستان میں بھی یہی کام بڑی سنجیدگی سے ہو رہا ہے۔ وہاں کبھی شیعوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے تو کبھی خانقاہی افراد پر حملہ ہوتا ہے۔ کبھی سنی تحریک کے کسی عالم دین کو گولیوں سے اڑا دیا جاتا ہے تو جوابی کاروائی کے طور پر کبھی کسی سلفی کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اب تو دیوبندی اور بریلوی مسالک کے لوگوں کی ٹارگٹ کلنگ بھی شروع ہو گئی ہے، لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مسلمان عوام مسلکی جنگ کا حصہ بننے کو تیار نہیں ہے۔ یہی مسلمانوں کی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ وہ اسلام دشمنوں کی چالوں کو سمجھ گئے ہیں۔ اصل میں جو لوگ خون بہانے کے عادی ہو گئے ہیں، ان کو کسی فرقہ سے کوئی مطلب نہیں، ان کو تو زمین پر لال خون بہتا دیکھ کر تسکین ملتی ہے لیکن مغربی ذرائع ابلاغ ان ہی حملوں اور بم دھماکوں کو اہمیت دیتے ہیں، جن کے ذریعہ وہ مسلکی یا گروہی کشیدگی کو بھڑکا سکیں۔ جب کہ سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم پاکستان میں اس سال ہوئے بم دھماکوں کے اعداد و شمار پر غور کریں تو حقیقت کچھ اور ہی نظر آئے گی۔ اس سال پہلی جنوری سے لے کر آج تک وہاں کل ۲۱۰ دھماکے ہوئے ہیں جن میں تقریباً ۹۰۰/افراد ہلاک اور ۲۰۰۰/لوگ زخمی ہوئے ہیں۔ ان تمام دھماکوں میں سے ۹۰/فیصد دھماکے پاکستان کے سرحدی علاقوں میں ہوئے ہیں اور مرنے والوں میں ۷۰۰ لوگ قبائلی علاقوں کے باشندے ہی ہیں، ان دھماکوں کا رشتہ کسی مسلک یا گروہ سے نہیں تھا، اس لئے اس کو فرقہ سے نہیں جوڑا جا سکا تو مغربی میڈیا کو ان دھماکوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، لیکن وہ ۱۰/فیصد دھماکے جو شیعوں، خانقاہوں یا قادیانیوں پر ہوئے اور جن میں کل ملا کر تقریباً ۲۰۰/لوگ شہید ہوئے، ان کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ شاید کچھ لوگ اس کو محض ایک مدیرانہ فیصلہ کہیں، لیکن ایسا نہیں ہے، یہ اسی سازش کا ایک حصہ ہے جو دو ڈھائی سو برسوں سے لگاتار جاری ہیں۔ بہت سے قارئین کو شاید یہ بات معلوم نہ ہو کہ اٹھارویں صدی میں برطانیہ کے صاحبان اقتدار اور چرچ کے اعلیٰ نمائندوں کے درمیان مسلسل میٹنگیں ہوتی تھیں کہ مسلمانوں میں انتشار اور افتراق پھیلانے کے لئے کیا کیا ترکیبیں آزمائی جائیں۔ اس

بات کا انکشاف اس برطانوی جاسوس کی خود نوشت یادداشت سے ہوا تھا، جس کو جرمنی نے برآمد کیا تھا۔ بعد میں اس کی ڈائری کو ایک کتابی شکل میں Memoirs of Mr. Hempher کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ پھر اس کتاب کے عربی، فارسی اور اردو ترجمے بھی شائع ہوئے۔ اس کتاب میں برطانوی ایجنٹ نے کئی اہم انکشافات کئے تھے۔ اس کتاب میں اس نے لکھا ہے کہ چرچ کی مدد سے برطانوی حکومت ایسی طویل المدت سازشیں رچ رہی تھی، جن کے اثرات اس وقت نہیں بلکہ دو تین سو سال بعد دکھائی دینے والے تھے۔ ان سازشوں کے تحت مسلمانوں کو مسلک، زبان، ذات، علاقائی اور قومیات کے تعصّبات کا شکار بنانا تھا۔ ان سازشوں کے تحت ایسے گروہوں کو بڑھاوا دیا جاتا تھا، جو مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کئے جانے کی سازشوں کو کامیاب کریں۔ ساتھ ہی ساتھ مسلکوں کے اختلاف کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کے لئے دوسرے مسلمانوں کے خلاف کفر کے فتاویٰ جاری کریں۔ برطانوی جاسوس نے بہت تفصیل سے لکھا تھا کہ اس طرح کی حرکتوں کے ذریعہ دنیا کی دوسری قوموں کو مسلمانوں اور اسلام سے متنفر کرنے کا کام لیا جاتا تھا اور آج اکیسویں صدی میں ان سازشوں کو انجام دینے کے لئے دنیا کے طول وعرض میں بڑے بڑے منظم گروہ موجود ہیں، جو اسلام کی خدمت کے نام پر مسلمانوں کا خون بہانے کے علاوہ اسلام کے چہرے کو داغدار کرنے کی مذموم کوششوں میں لگے ہیں۔ مسلمانوں میں مسلکی اختلافات کو ہوا دینے کے لئے پاکستان اور عراق کی سرزمین کا انتخاب کیا گیا ہے۔

اگر ہم عراق کی تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو دیکھیں گے کہ عراق میں ایک ہزار سال تک سنی حکمرانوں کی حکومت رہی، وہاں کے شیعوں سے حکومت کے اختلاف بھی رہے اور کردستان کے سنیوں سے بھی لیکن کبھی شہروں میں شیعہ سنی فسادات یا عرب اور کرد قوموں کے درمیان جھگڑے نہیں ہوئے۔ جو شیعہ یا کرد حکومت کے ساتھ تھے وہ محفوظ رہے اور جو حکومت کے خلاف ہوئے ان کو سزائیں بھگتنا پڑیں، پھر بھی شیعہ سنی فساد نہیں ہوا۔ سلفیوں کی تحریک نے زور پکڑا تو سلطنت عثمانیہ سے ان کا ٹکراؤ ہوا، لیکن شیعہ سنی کے نام پر کوئی فساد نہیں ہوا، بلکہ شیعوں کے لئے جن زیارت گاہوں کو نقصان پہنچایا گیا، ان کی تعمیر نو سلطنت عثمانیہ نے کی۔ اسی طرح کردستان میں آباد ایک ایسی بہادر قوم جس نے مسلمانوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی جیسا سپہ سالار دیا کبھی کردستان کے قیام کے لئے عرب کرد فساد پر آمادہ نہیں ہوئی تو اچانک ایسا کیا ہوا کہ وہ قوم اسلام کا لبادہ اتار کر کرد نسل کا جبہ پہننے پر کیوں مجبور ہوگئی؟! ہم کو غور کرنا ہوگا کہ یہ سارے جھگڑے اٹھارویں صدی کے بعد ہی کیوں اٹھنا شروع ہوئے؟ مرے پہ سو درّے یہ کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد چرچ اور برطانوی حکومت کی سازشوں میں امریکہ بھی شامل ہوگیا اور بعد میں اسرائیل کو پیدا کر کے انھوں نے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار کے بیج بونے کے لئے ایک نئی طاقت کا اضافہ کرلیا۔ یہ بھی سوچنا ہوگا کہ کیا ان ہی سازشوں کے تانے بانے ہندوستان تک پہنچے، جہاں ابھینو بھارت جیسی مکار تنظیم کا جنم ہوا، جس نے مسلمانوں کی جان لے کر مسلمانوں پر ہی قتل کا الزام تھوپنے کا کام بڑی سفاکی کے ساتھ کیا۔ یہ بھی بات سوچنے کی ہے کہ کہیں ہمارے ملک میں بھی تو مسلکی فسادات کو ہوا دینے کی کوشش تو نہیں ہو رہی ہے؟ شیعہ سنی فساد کے جنم استھان کے طور پر اپنی شناخت قائم کرنے والے شہر لکھنؤ کا کہیں پھر سے تو اس کے لئے انتخاب نہیں کیا جا رہا ہے؟ پہلے امریکہ کے سفیر کا دورۂ لکھنؤ اور وہاں کے شیعہ کالج اور سنیوں کے کرامت حسین کالج میں ان کی آؤ بھگت۔۔۔۔۔۔ اور اب اسرائیلی سفارت خانے کے نمائندوں کا وہاں پہنچنا اور اردو اخباروں کے صحافیوں کو دانہ ڈالنے کی کوشش اور کچھ نام نہاد شیعہ اور سنی لیڈروں سے خفیہ ملاقاتیں۔۔۔۔۔ کہیں اسی سازش کا حصہ تو نہیں ہے، جو آج عراق اور پاکستان میں چل رہی ہے؟ کہیں مسلمانوں کو مسلک اور گروہ کے نام پر لڑوانے کی کوئی گہری سازش تو نہیں ہو رہی

ہے؟ بہر حال یہ سازشیں بھی چلتی رہیں گی اور جن کو قرآن پاک کی تعلیمات اور آنحضور کی سیرت طیبہ سے محبت ہے، وہ ان سازشوں کو ناکام بھی کرتے رہیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) ۱۴ر جولائی ۲۰۱۰ء)

کرغستان میں نسلی تعصب کی لہر

آج کل سنٹرل ایشیا کے ایک مسلم ملک میں نسلی فسادات چل رہے ہیں اور کسی بھی مسلم ملک میں قتل وخون ہو اور اس کے تار امریکہ اور سی۔ آئی۔ اے۔ سے نہ جڑیں یہ ناممکن ہے۔ ایسا ہی کچھ کرغزستان میں ہو رہا ہے، وہاں کے عوام اپنے ملک میں امریکہ کی بڑھتی مداخلت سے پریشان تھے۔ سوویت روس سے آزادی کے بعد وہاں کے عوام کو لگ رہا تھا کہ اب وہ امریکہ کے چنگل میں پھنستے جارہے ہیں اور جب انھوں نے امریکی حصار کو توڑنے کی کوشش کی تو ان کو نسلی فسادات میں الجھا دیا گیا۔ اس سے قبل کہ اس موضوع پر مزید بات کی جائے کرغزستان کے بارے میں کچھ بنیادی اطلاعات پہنچانا ضروری ہے، کیوں کہ اس کے بغیر یہ معاملہ ٹھیک سے قارئین کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

کرغزستان کی کل آبادی ۵۲ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے (جو ہمارے ملک کی راجدھانی دہلی کی آبادی کی تقریباً ایک تہائی ہے) یہاں ایک کلومیٹر کے رقبہ میں صرف ۲۹ ر لوگ آباد ہیں۔ یہاں کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۸۰ فیصد ہے، جب کہ ۱۷ ر فیصد آبادی عیسائیوں اور تین فیصد دوسرے مذاہب کے باشندوں پر مشتمل ہے۔ ویسے تو یہ ایک مسلم ملک ہے، لیکن اس کا آئین سیکولر نظام پر مبنی ہے گو کہ مسلمانوں کی اکثریت حنفی العقیدہ ہے، لیکن اسلام سے زیادہ یہاں قبیلوں کے فرسودہ قوانین کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس ترک ریاست کی سرحدیں شمال میں قزاقستان، مغرب میں ازبکستان، شمال مغرب میں تاجکستان اور مشرق میں چین سے ملتی ہیں۔ بشکیک یہاں کا سب سے بڑا شہر اور دارالخلافہ بھی ہے۔ کرغزستان کے نام کی الگ الگ وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ ترکی زبان میں سرخ رنگ کو کرغز کہتے ہیں اور چوں کہ ترک قبائل کے پرچم کا نشان سرخ تھا، اس لئے اس کو بھی اسی پرچم کا حصہ مان کر اس کو کرغزستان کہا جانے لگا۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہاں کی مقامی زبان میں چالیس کے ہندسہ کو 'کرغز' کہتے ہیں، کسی زمانے میں یہ ملک اپنے چالیس قبیلوں کے اتحاد اور اتفاق کے لئے مشہور تھا، اسی مناسبت سے اس کو کرغزستان یعنی چالیس قبیلوں کا ملک کہا جانے لگا۔ یہاں کی کہانیوں میں مانس نام کے ایک سردار کا بہت زیادہ ذکر ہوتا ہے، جس نے چالیس قبیلوں کو ملا کر خطان حملہ آوروں کا جم کر مقابلہ کیا۔ ایک اور وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہاں کے لوگوں کے بال سرخ ہونے کی وجہ سے اس کو کرغزستان کہا گیا۔ (فارسی میں سرخ کو قرمز کہتے ہیں، جو اس سے بہت ملتا جلتا لفظ ہے۔) جو ملک کسی زمانے میں قبیلوں کے درمیان اتحاد واتفاق کی وجہ سے اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہوا تھا، آج کل وہاں قبیلوں کے نام پر خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے اور صرف قومیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کردینے کو مباح قرار دے دیا گیا ہے۔ حالات اس قدر خراب ہیں کہ روس کو اپنی افواج بھیجنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔

ویسے تو کرغزستان کا اسلام سے بہت پرانا رشتہ ہے، کیونکہ اسلام تیرہویں صدی (عیسوی) میں ہی پہنچ گیا تھا، لیکن رفتہ رفتہ وہاں سے اسلام کے آثار مٹتے گئے اور قبیلوں کے پرانے قوانین رائج ہوگئے۔ رہی سہی کسر سوویت یونین کے قبضہ کے دوران پوری ہوگئی۔ کرغزستان پر ۱۹۱۹ء میں ہی روسیوں نے اپنا تسلط قائم کرلیا تھا، جب انھوں نے Kara-Kyrgyz Autonomous Oblast کی بنیاد ڈالی اور پھر صرف ۱۷ ر سال بعد ۵ دسمبر ۱۹۳۶ء کو اس ریاست کو سوویت یونین کا باقاعدہ طور پر حصہ بنا لیا گیا۔ سوویت یونین کو اس حصہ کی بہت زیادہ ضرورت تھی، کیوں کہ اس کی سرحدوں پر بیٹھ کر وہ اپنے دشمن چین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکتا تھا۔ سوویت یونین کے

قبضہ کے دوران اس علاقہ میں تعلیم کے مناسب مواقع فراہم ہوئے اور تعلیمی پسماندگی بڑی حد تک دور ہوئی، لیکن لوگ مذہب سے دور ہوتے گئے، کیوں کہ سوویت یونین کی حکومت مذہب کی تبلیغ یا مذہبی رسومات کی عام شاہراہوں یا پبلک مقامات پر ادائیگی کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ روسی زبان کو یہاں کے عوام پر جبری طور پر تھوپ دیا گیا، یہاں تک کہ ایک پوری نسل اپنی مادری زبان سے ناواقف ہوگئی۔ کرغز زبان کا رسم الخط صدیوں سے ربی تھا، اس کو بھی ۱۹۲۸ء میں تبدیل کرکے Latin کر دیا گیا اور ۱۹۴۱ء میں اس کو Cyrillic script میں تبدیل کر دیا گیا، جو روسی زبان کے رسم الخط کا نام ہے۔ سوویت یونین کے تسلط کے دوران ہی یہاں نسلی فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ۱۹۸۹ء میں یہاں ازبیک اقلت اور کرغز اکثریت کے بیچ Strawberry نام کے ایک پھل کی قیمتوں کو لے کر نسلی فساد ہوگیا، جس میں ۱۰۳؍لوگ مارے گئے، لیکن روسی افواج نے جلد ہی اس فساد کو دبا دیا، مگر ایک سال کے بعد زمینوں پر قبضہ کو لے کر پھر فساد بھڑک اٹھا، جس میں ۳۰۰؍لوگ مارے گئے۔ ان ہی ہنگاموں کے درمیان سوویت یونین کے بکھراؤ کا سلسلہ شروع ہوگیا اور کرغزستان کے لوگوں کو بغیر کسی جدوجہد کے ۳۱؍اگست ۱۹۹۱ء کو آزادی کا مژدۂ جاں فزا سننے کو ملا۔ اسی سال اکتوبر کے مہینے میں یہاں ریفرنڈم ہوا، جس میں ۹۵ فیصد عوام نے ووٹ ڈالے اور اپنے لئے ایک سیکولر آئین چنا۔ صرف دو مہینے بعد ۲۵ دسمبر ۱۹۹۱ء میں کرغزستان دنیا کے نقشے پر ایک آزاد ریاست کے طور پر ابھرا۔ اس کے بعد ۱۹۹۲ء میں کرغزستان کو اقوام متحدہ کی ممبری بھی مل گئی۔ ۱۹۹۳ء میں باقاعدہ طور پر یہاں ایک جمہوری حکومت بھی قائم ہوگئی۔ سیاسی عمل شروع ہونے کے بعد کئی سال تک زندگی پرسکون رہی، لیکن ۲۰۰۲ء میں کرغزستان کے ایک اپوزیشن لیڈر کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کرنے والے ایک مجمع پر پولیس نے گولی چلائی، جس کے نتیجے میں اکسئے شہر میں ۵ لوگ ہلاک ہوگئے، جس کے بعد ملک گیر پیمانے پر مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ۲۰۰۵ء میں وہاں کے دوسرے بڑے شہر جلال آباد میں سیاسی چپقلش شروع ہوگئی اور اپوزیشن کے لوگوں نے 'اوش' شہر پر قبضہ کرلیا۔ مارچ کے مہینے میں ۴؍ممبران پارلیمنٹ کو اس الزام میں قتل کر دیا گیا کہ وہ لوگ غیر قانونی کاروبار میں ملوث تھے، اس کے بعد یہ سیاسی تناؤ ملک کے تمام شہروں میں بھی پھیل گیا۔ ملک پوری طرح سے بدامنی کا شکار ہوگیا، جس کے نتیجے میں صدر عسکر آقا یوئف کی قیادت والی حکومت کو مستعفی ہونا پڑا، جس کے بعد حزب اختلاف کے لیڈروں نے ایک مشترکہ محاذ بنایا اور اقتدار پر قبضہ جمالیا۔ اپریل ۲۰۰۵ء میں ملک کی کمان اپوزیشن کے ایک لیڈر کرمان بیگ باقییف نے بحیثیت صدر سنبھال لی۔

پانچ سال تک وہاں کافی سکون رہا، لیکن قومی صنعتوں کو نجی اداروں کو سونپے جانے، مغرب کے بڑھتے ہوئے تسلط اور قبائیلی تفریق کے الزامات کے تحت کرمان بیگ باقییف کی حکومت کے خلاف بھی مظاہرے شروع ہوگئے۔ کرغزستان کے عوام کے ایک طبقہ کا کہنا تھا کہ حکومت نسلی تعصب کو بڑھاوا دینے کے ساتھ ساتھ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک کی گود میں جا بیٹھی ہے۔ آخر کار عوام کا غصہ سڑکوں پر اتر آیا اور اپریل ۲۰۱۰ء میں تشدد کی لہر بھڑک اٹھی۔ اسی سال ۱۷ مارچ کو کرغزستان میں ہزاروں مظاہرین نے بڑھتی ہوئی قیمتوں اور سرکاری اہلکاروں میں بڑھتی جارہی بدعنوانی کا ذمہ دار صدر باقییف کو ٹھہراتے ہوئے مظاہرے کئے۔ صدر باقییف کے رشتے داروں کو اونچے اونچے عہدوں پر فائز کئے جانے اور ان کے چھوٹے بیٹے مقسیم باقییف کی پٹرول کمپنی کے ذریعہ کرغزستان کے امریکی ہوائی مستقر کے ہوائی جہازوں کو پٹرول دیئے جانے کے ٹھیکے سے بھی وہاں کے عوام بے حد ناراض تھے۔ عوام کا الزام تھا کہ صدر مملکت امریکہ نوازی کے عوض اربوں ڈالر کما کر دنیا کے مختلف بینکوں میں رکھ دیے ہیں۔ بغاوت شروع ہونے کے بعد باقییف کئی بار امریکہ

(بقیہ۔۔۔۔صفحہ ۵۳ پر)

وہ جس کی گونج ہے کرب و بلا کے میدان تک
ہے ان کی خامشی اک ایسی پُر اثر تقریر

حسنؑ کے صبر کا کیا امتحان لیتے ہیں
کبھی زبان کے ناوک کبھی کمان کے تیر

حسنؑ کے صبر کی عظمت اِسی سے ظاہر ہے
ہیں چھوٹے بھائی انھیں کے تو حضرتِ شبیرؑ

ملوکیت کے مظالم سے جاں بلب اسلام
پناہ کے لئے ہے اب انھیں کا دامنگیر

شہی کے دعویٔ اسلام کا کھُلے گا بھرم
حسنؑ کا حسنِ تدبر ہے صلح کی تدبیر

جو صلح نامے کی صورت میں لکھ رہے تھے حسنؑ
وہ نسخہ ہوگیا اسلام کے لئے اکسیر

حسنؑ نے مہر نہیں کی یہ صلح نامہ پر
امان نامۂ اسلام کردیا تحریر

ملوکیت نے بجادی تھی اس کی اینٹ سے اینٹ
نئے سرے سے ہوا قصرِ دینِ حق تعمیر

حسنؑ کی صلح کی شرطوں پہ کیجئے تو نظر
حدیبیہ میں بھی ان کی نہ مل سکے گی نظیر

جو صلح نامہ پہ کی مہر تو کھُلا، ورنہ
نقاب تھی رُخِ باطل پہ تادمِ تحریر

جدا کیا ہے خلافت سے اُس نے شاہی کو
ہے درمیان میں تنسیخِ صلح کی جو لکیر

قصیدہ سُن کے یہ مولاؑ نے مجھ سے اے ساحرؔ
معاف کردی مری زندگی کی ہر تقصیر

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اتحاد ملت کی ضرورت کیوں؟

میں اپنے آقاؤں سے ملنے بھی گئے، جس نے آگ پر پٹرول کا کام کیا اور مظاہرے اتنے بڑھ گئے کہ صدر باقییف کو راجدھانی بشکیک میں ہنگامی حالات کے قوانین نافذ کرنے پڑے، لیکن حالات تب بھی قابو میں نہیں آئے تو ان کو ملک چھوڑ کر پڑوسی ریاست قزاخستان میں پناہ لینی پڑی اور ملک کی صدارت سابق وزیر خارجہ محترمہ روزہ عتون بائیوا نے سنبھال لی۔ مفرور صدر باقییف کے قزاخستان جانے کے بعد ان کے حامیوں نے ۱۳رمئی کو جلال آباد، اوش اور باتکین شہر کی سرکاری عمارتوں پر قبضہ کرلیا اور جلال آباد کے گورنر کو اغوا کرلیا، جس کے بعد فسادات کا سلسلہ سا شروع ہوگیا اور جون کے پہلے ہفتہ میں نسلی فسادات شروع ہوگئے۔ ان فسادات کو نسلی فساد میں تبدیل کروانے کے پیچھے بھی ضرور سی۔آئی۔اے۔کی سازش ہوسکتی ہے۔ وہاں کرغز نسل کے لوگوں کا تناسب ۶۵ فیصد ہے اور ازبیک نسل کے لوگ صرف ۱۴رفیصد ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ اس فساد کی آڑ میں امریکہ دشمنی کی لہر دبانے کی کوشش ہورہی ہے۔

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) ۱۶رجون ۲۰۱۰ء)

✡✡✡